بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

لمحۂ حاضر میں ملک بڑی مشکلات سے دوچار ہے، جمہوریت کا تجربہ ابھی معرضِ آغاز میں ہے، حکومت پوری طرح قابو یافتہ نہیں، سیاسی جماعتیں ابھی اُٹھ کر پوری طرح تنظیم نو بھی نہیں کر پائیں، لیڈروں کی مختلف بولیاں ہیں اور ان میں زور کی بانگیں دینے والے وہ ہیں جنہیں پاکستان سے محبت کرنے کا صرف یہی حکیمانہ نسخہ معلوم ہوا ہے کہ دشمنانِ پاکستان کی لے میں لے ملائیں، دو بڑی سپر پاورز کی سرپرستی میں اسرائیل اور بھارت ہمارے لیے اپنی ڈپلومیسی سے بارود کی سرنگیں بچھا رہے ہیں۔ پاکستان میں لادینیت نے جتنا زور آج پکڑا ہے اتنا پہلے کبھی نہ تھا، لادینیت کا سارا لاؤ لشکر ۔ کمیونسٹ، الحاد اور تفریقِ دین و سیاست کے علمبردار، نوکر شاہی کے افسر، جمہوریت کا کھلا میدان ملنے پر اس میں ہنگامہ خیزی کا کھیل کھیلنے والے کوچہ گرد سیاست باز، قادیانی، منکرینِ حدیث، مغرب پرست بندگانِ مفاد، دولت و جاہ کے سرمست اور وڈیرے اور جاگیردار، اہلِ سیاست کے ہاتھ میں کام کرنے والے مجرم اور غنڈے ایک بڑا وسیع محاذ قائم کیے ہوئے ہیں جو سیاسی جماعتوں، مذہبی گروہوں، افسر شاہی اور وزیروں اور قومی نمائندوں کے مختلف دائروں میں پھیلا ہوا ہے اور اس محاذ کی لڑاکا فورس کی رگوں میں مختلف ملکوں کا روپیہ کام کر رہا ہے۔ اتنی پیچیدہ ہے صورتِ حالات۔

ایسے نازک حالات میں چاہیے تو یہ تھا کہ ہر وہ شخص اور گروہ جو دین سے محبت رکھتا ہو

وہ آج سے پہلے کے چند سالوں میں اس مہم پر نکلا ہوتا کہ وہ دینی قوتوں سے اتحاد پیدا کرے گا، ان کو اختلاف کرنے یا رکھنے کے صحت مند طریقے سکھلائے گا۔ اُن کو محبت سے بات کرنے کا سلیقہ بتائے گا۔ ان میں دین و ملت کی بھلائی کے لیے مسلمانوں میں وحدتِ مقصد پیدا کرنے کا والہانہ جذبہ اُبھارے گا۔ مگر افسوس کہ کئی برس سے افتراق کی مہمات چلتی رہیں اور خصوصاً ہمارا ذکر تو اکثر بہت گھٹیا انداز سے یہ کہہ کر کیا گیا کہ بس ایک جماعتِ اسلامی کے ساتھ اتحاد نہیں ہو سکتا، بلکہ جہاں جماعت ہو گی، وہاں ہم نہ ہوں گے۔ یعنی ہم پر ایک حملہ ایم آر ڈی کا، ایک حکمرانوں اور بیوروکریسی کا اور ایک مولویانِ کرام کا — یعنی ہمارے خلاف شیخ و رند ایک مقام پر بغل گیر ہو گئے ——— ایک آواز میخانے سے اُٹھتی ہے، ایک بُت کدے سے اور ایک مسجد و خانقاہ سے۔ عقلاً اس تثلیث کی تشکیل سمجھ میں نہ آئے گی۔

یہ اس لیے کہ کمیونسٹوں، سیکولرسٹوں، مادہ پرست دانش مندوں، بندگانِ دولت و جاہ اور سرمستانِ عیاشی و فحاشی سب کی نگاہ اس بات پر ہے کہ اصحابِ مسجد و مدرسہ ان کے لیے اس درجے کا خطرہ نہیں ہے جس درجے کا خطرہ جماعتِ اسلامی ہے جس کے افراد شعوری ایمان رکھتے ہیں، حالات پر نظر رکھتے ہیں، مخالفِ اسلام نظریوں اور تحریکوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ معاشرے میں لادینیت جس بھی فتنہ کو اُٹھاتی ہے، وہ چاہے دستور کے کسی نکتے سے متعلق ہو یا خواتین کی ماحول افروزیوں سے، طوفان فلسطین سے اُٹھے یا افغانستان سے، قصہ داخان کا ہو یا سیاچین کے گلیشیر کا، کسی جگہ سلسلہ جنبانی رُوس کی ہو یا حرکت انگیزی امریکہ کی، جماعتِ اسلامی گرفت کرنے میں پیش پیش رہتی ہے اور ہر خطرے سے مسلمانوں کو دلائل و شواہد کے ساتھ آگاہ کرتی ہے۔ مخالف قوتیں اس لیے جماعت کے خلاف چڑھتی ہیں کہ یہ نہ اُن سے خوف کھاتی ہے، نہ بکتی ہے اور نہ کبھی گردن میں خم آنے دیتی ہے۔ حتیٰ کہ مشرقی پاکستان میں اس کے نوجوانوں نے بھارتی حملہ آوروں کی طوفانی قوت

سے پنجہ آزمائی کر کے دکھا دیا کہ وہ ایک زندہ، اور زندہ رہنے کی مستحق قوت ہیں ۔ اِس حقیقت کو انہوں نے اپنی لاشوں کی الواح پر اپنے خون سے ثبت کر دیا ۔ پھر جماعت کے لوگ جیلوں میں گئے اور مقدموں اور ضبطیوں سے گزرے ۔

یہ مقام بلند خوب صورت نعرے لگانے، عُرسوں میں قوالیاں سُننے اور میلاد شریف کا حلوہ اُڑانے، جلوس نکال لینے، جلسہ کر لینے سے تو نہیں مل سکتا ۔ خصوصاً دوسروں کو بہت گالیاں دینے سے اور اُن پر حملہ کرنے اور کاریں جلانے سے اور اس کے بعد دوسروں کے خلاف غلط پروپیگنڈے کا طوفان اُٹھا دینے سے تو اور دُور ہو جاتا ہے ۔

جمعیت اہل سنت کے بارے میں یہ بات بڑی اندوہ ناک ہے کہ اگر وہ کئی برس سے اتحاد کی راہ پر گامزن نہیں کر سکے اور نہ ہمیں اس کی اجازت انہوں نے دی تو کم سے کم ان کے مدعیانِ بلند بانگ سطحی اخباری پروپیگنڈے کے بجائے سارا معاملہ کسی معتمد علیہ بزرگ کے پاس لے جاتے اور اُن کی خدمات مصالحت یا ثالثی کے لیے حاصل کر لیتے تو بات پردے ہی میں ختم ہو جاتی ۔ اب انہوں نے اپنے سارے کارنامے کو اَلم نشرح کرانے پر کمر باندھلی ہے ۔ کیا یہ اچھا لگے گا کہ جمعیت اہلِ سنّت کے علماء کی کچھ باتوں کی صداقت پر خطِ تنسیخ کھنچ جائے اور کہا جائے کہ مولوی جھوٹ بولتے ہیں ۔ دس بار سوچیے !

اس وقت یو مشین گن طرز کی بیان بازی بہ حمایت بعض اخبارات علمائے اہل سنّت کی طرف سے ہو رہی ہے (اور دوسری طرف کے "جواب وصولی" کی اشاعت میں جو شدّت دکھائی جا رہی ہے) اُسے دیکھ دیکھ کر یہی خیال آتا ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے مُلک میں تصویروں سے بھری ہوئی رنگین اخبار نویسی کا زور ہو جانے کے باوجود اچھی، صحیح اور مکمل رپورٹنگ کا تجربہ شروع نہیں ہوا ۔ ورنہ ہر سلسلہ واقعات کی پوری سٹوری دیانت داری سے مرتب کر کے رپورٹ اس طرح پیش کی جاتی کہ پولیس کی تفتیش بھی اُس کے خطوط کو نظر انداز نہ کر سکتی ۔ ۶ مارچ کو جس طرح یہ ضروری تھا کہ جماعت اسلامی کے جلسے کی رپورٹنگ کے لیے ڈیوٹیاں لگیں،

اسی طرح جمعیت اہل سنت کے جلوسوں کی بھی آغاز سے آخر تک پوری رپورٹنگ اس طرح ہوتی گویا لفظوں میں فلم دکھا دی گئی، اور اسلامی جمعیت طلبہ کی ریلی کی بھی۔ مگر مکمل رپورٹنگ کے بجائے بکھری بکھری خبریں اور بیانات اور ان میں بھی کسی خاص طرف جھکاؤ، اخبارات کے ذریعے حقیقت معلوم کرنے والوں کو عجیب وادیوں میں بھٹکا دیا جاتا ہے۔

چار و ناچار میں نے متفرق ذاتی معلومات پر مبنی "مکمل سٹوری" مرتب کی ہے اور اسے میں ان اوراق کے ذریعے اس امید کے ساتھ قریبی دوستوں تک پہنچا رہا ہوں کہ وہ آگے زیادہ سے زیادہ پھیلا کر اس زہر کا توڑ کریں جو اگر معاشرے کی رگوں میں سرایت کرتا گیا تو بہت برے نتائج نمودار ہوں گے۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ دور بیٹھ کر سوچنے والوں نے بہت بڑی شرارت کا جو منصوبہ سوچا تھا، وہ درہم برہم ہو گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ جمعیت طلبہ کے کئی ہزار نوجوان اپنے پورے زعم قوت کے ساتھ اشتعال میں آئیں اور سڑک پر ایسی فائرنگ اور دست بدست لڑائی ہو کر سڑک پر سینکڑوں لاشے پڑے ہوں اور پھر ایک طرف تو ملک بھر میں اشتعال کے بگولے اٹھا دیے جائیں اور مسجد مسجد اور گلی گلی خون خرابہ ہو رہا ہو، دوسری طرف اسلامی جمعیت طلبہ کے خلاف تشدد کے جھوٹے الزام کا جو پتلا پہلے سے بنا بنایا رکھا ہے اس پر خون چھڑک کر اس میں نئی روح پھونکی جائے۔ اور جس اصل چیز سے جمعیت اہل سنت کے اصحاب علم اور ارباب تقویٰ واقف نہیں، یہ پیش نظر تھی کہ اس سلسلہ واقعات کے بعد کمیونسٹ اور ملحد لادین عناصر یہ پروپیگنڈہ پلیٹ فارم، پریس، گلی کوچوں اور پارلیمان تک میں کریں کہ دینی عناصر لڑنے بھڑنے والے تشدد پسند اور اختلاف کا تحمل نہ رکھنے والے لوگ ہیں، ان کے نظریات و تصورات پر اگر ریاست اور معاشرے کو چلایا گیا تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد سیکولرازم کا ناگ اور کمیونزم کا ریچھ ایوانوں ہی میں نہیں، سڑکوں اور رہ گزاروں پر ناچیں گے، پڑھیے گا اس وقت تسبیحات اور قنوت نازلہ، کیونکہ باقی تدبیروں کے دروازے تو بند ہو جائیں گے اور بے بسی جکڑ لے گی۔ یہی وسط ایشیا کی ختم شدہ مسلم ریاستوں میں ہوا کہ مولویان کرام نے

دینی اور قومی لڑائی سے زیادہ ضروری یہ سمجھا کہ عقائد اور مفاد کی اپنی اپنی گروہی لڑائیاں اچھی طرح لڑ لیں۔ ہم تاریخ کے ٹیلی وژن پر پہلے سے یہ تماشا دیکھ چکے ہیں۔ وہی ڈرامہ اگر ہمارے سامنے دہرایا جائے تو ہم اس کے کرداروں کو بھی پہچانتے ہیں اور اس کے ہتھکنڈوں کا توڑ بھی کر سکتے ہیں۔

اصل خطرہ ٹل جانے کے باوجود بارودی سرنگیں دُور دُور تک پھیلانے اور بچھانے کا کام جاری ہے۔ خصوصیت سے ۲۰ مارچ کے احتجاجی جلسے میں ایک بار پھر اشتعال انگیز تقریروں اور نعروں اور قراردادوں اور گالیوں کی توپوں کے دہانے کھلیں گے تاہم ہمیں یقین ہے کہ ہمارے صبر کا ٹھنڈا پانی ساری بارود کو ناکارہ بنا دے گا۔ الّا یہ کہ بچے کھچے کئی سادہ لوح خادمانِ علماء کے دلوں میں زہر بھر جائے گا۔ (یہ جلسہ بھی ہو چکا!)

نوجوانوں کی ریلی کے دن بزرگوں کے جلوس کا قصہ ہر محبِ دین و ملت کے لیے رنج و شرم کا باعث بنا۔

اسلامی جمعیت طلبہ نے ۲۵ جنوری کو ریلی کا اعلان کر دیا تھا اور اس کے لیے ۶ مارچ کی تاریخ مقرر کر دی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ استحکامِ پاکستان کے لیے تجدیدِ عہد کی تقریب ہو جائے۔ حکومت کی انتظامی روایت بھی ہے اور سیاسی و اجتماعی اخلاقیات کا تقاضا بھی کہ ایک گروہ کی طرف سے اگر کسی جلسے، جلوس، ریلی کا اعلان کسی خاص دن کے لیے پہلے ہو چکا ہو تو کسی دوسرے گروہ کو اسی دن اسی طرح کا کوئی پروگرام نہیں رکھنا چاہیے یا اس کے لیے مقام اور راستہ اور وقت الگ رکھنا چاہیے۔ مگر اسلامی جمعیت طلبہ کے اعلان کے دو ہفتے بعد جمعیت اہلِ سنّت کے لیڈروں نے ۶ ہی مارچ کو احتجاجی جلوس نکالنے کا اعلان کر دیا۔ اس معاملے میں حکومت کی انتظامی مشینری نے کوئی حرکت نہیں کی، حالانکہ روایت یہ ہے کہ بعد میں اعلان کرنے والوں کو روک دیا جاتا رہا ہے۔ کیا جواب ہے حکومت کے پاس اس کا؟

بہ ہر حال اسلامی جمعیت طلبہ کے سربراہوں نے اس امر کو نامناسب محسوس کرتے ہوئے اے سی اور ایس ایس پی سے ملاقات کی اور تشویش کا اظہار کیا، نیز یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ جلوس کا رُوٹ کیا ہوگا۔ دونوں افسروں نے بتایا کہ ہم نے اہلِ سنّت کے علماء سے پوچھا ہے، انھوں نے کہا کہ رُوٹ ابھی ہم نہیں بتا سکتے۔ عین وقت پر بتائیں گے۔ کیا عجیب صورت ہے کہ حکومت کے افسران پوچھتے ہیں اور جواب نہ ملنے پر دم بخود ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اتنا ہی حکم جاری ہو سکتے ہیں۔ آخر افسران نے یہ کہا کہ ہم کوشش کریں گے کہ روٹ الگ الگ رہیں۔

اُدھر روٹ کے معاملے میں اتنا اخفا کہ ۶ مارچ کے اخبارات میں بھی اس کی کوئی خبر نہیں، بلکہ یہ کہا گیا کہ روٹ کا فیصلہ عین وقت پر کیا جائے گا۔

کیا حکومت اتنی بے بس تھی کہ عین آخری دن بھی جلوس نکلنے سے قبل معلوم نہیں کر سکتی تھی کہ روٹ کیا ہوگا۔ اور اگر معاملہ اتنا پراسرار رکھا جا رہا تھا تو وہ جلوس کو روک بھی سکتی تھی۔ اور اگر اسے نکلنا ہی تھا تو اتنی پولیس فورس مہیا کر سکتی تھی جو کسی مناسب روٹ پر جانے کی اجازت دیتی، مگر کسی غلط رُخ پر مُڑنے سے قطعیت کے ساتھ روک دیتی۔ بارہا غلط نوعیت کے جلوسوں اور غلط رُخ پر جانے والے جلوسوں کو اسی لاہور میں روکا گیا ہے۔

پھر کیا موقع پر حکومت کے ایسے کارندے موجود نہ تھے جو جیپوں یا سکوٹروں یا وائرلیس کے ذریعے انتظامی حکام اور اپنے ہیڈکوارٹر کو اس امر واقعہ سے آگاہ کر سکتے کہ مسجد داتا دربار ہی میں جلوس کے ڈنڈا بردار دستے موجود تھے۔ اور "کاہو" کے ڈنڈوں کے بندھے ہوئے گٹھے ان کے لیے لائے گئے جن کی قیمتیں اندازاً ۳/- روپے فی ڈنڈا تھیں۔ کیا یہ سب کچھ کارندوں کو دکھائی نہیں دیا؟ کم سے کم ڈنڈوں کے گٹھوں کو تو وہ قبضے میں لے سکتے تھے۔ یا کیا ان کو تبلیغ دین کے اوزار و آلات میں محسوب کیا گیا؟ یا اسلحۂ جہاد کہ جو تبلیغ کے آگے سر نہ جھکائے اُس کی خبر ڈنڈے سے لی جائے۔ کیا اس قسم کے مشاغل پر سنّت کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

مسجد میں جمعہ کے دن جو تقریریں اہلِ سنت کے اکابر حضرت محمود احمد رضوی اور مولوی احمد علی قصوری نے لوگوں کو سنائیں ان میں مولینا مودودیؒ اور میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی اور خود جماعتِ اسلامی کے لیے گھٹیا الفاظ مسلسل استعمال کیے گئے۔ ان تقریروں میں دین کی تبلیغ اور خدا اور رسولؐ کی باتوں اور اُمتِ محمدیہ کے لیے محبت کے کلمات کے بجائے بدزبانی کی جاتی رہی۔ جس کی گواہی مسجد اور مزار دونوں خدا کے سامنے دیں گے۔ ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ کوئی مذہبی یا دینی جلسہ ہے یا اس میں علماء اپنی زبانوں سے نور بکھیر رہے ہیں۔

تقریروں کی بانگی ملاحظہ کرنے والوں نے یہ دھمکیاں بھی سنیں کہ ہم دیکھ لیں گے کہ جماعتِ اسلامی کس طرح جلسہ (۲ مارچ موچی دروازہ) کرتی ہے!

یعنی اصل ہدف تو جماعت اسلامی کا جلسۂ عام تھا۔ بیچ میں اسلامی جمعیت طلبہ سے چھیڑ چھاڑ کے لیے تو چھوٹے اسٹیشن پر گاڑی اتفاقاً رک گئی کہ پہلے دو دو ہاتھ یہاں ہو لیں۔ رکی کیا پھنس کر رہ گئی۔ جلسے تک نہ پہنچ سکی۔ (بلکہ لاہور کے بعد سکھر میں بھی جلسہ ہو گیا)۔ جلوس چلا ——— اور گالیوں کے پھول فضا میں بکھرنے شروع ہوئے۔ علماء کی گالیاں ——— مقدس گالیاں ——— شرعی گالیاں ——— زہد و تقویٰ کا یہ جلوس اور سنت و جماعت کے علمبرداروں اور خاص مرتبے کے محبانِ رسولؐ کا جلوس ——— چلا۔ اس مقدس جلوس میں ایم۔ ایس۔ ایف کے قائدین شریک! ——— حافظ سلمان کے انتخابی مرحلے کے دفائرنگ کرنے والے) مخالفین جنہیں اکابرِ خاص کی سرپرستی حاصل تھی، اس شرعی مجاہدانہ کارروائی میں شامل! محمد نواز کا ایک ملزم قاتل بھو ضمانت پر ہے، جناب رضوی کے اس قافلہ تقویٰ میں رونق افروز! ——— خود حضرت صاحب کا صاحبزادہ اشرف مختار کلاشنکوف اچھال اچھال کر دکھا رہا تھا۔ کچھ اور لوگوں کی ایک پارٹی رائفلیں اُٹھائے پیش پیش تھی۔ جی۔ پی۔ او کے قریب سے جلوس یونیورسٹی کی طرف مڑا تو ایک مجسٹریٹ اور ایک ڈی۔ ایس۔ پی نے مظاہرین کو اس طرف بڑھنے سے روکا۔ مگر جلوس کے مجاہدوں نے ان افسران کو زخمی کر کے زبردستی سے اپنا رُخ یونیورسٹی جانے

کے لیے موڑ دیا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر جلوس کے شرکا اور اس کے لیڈر اتنے ہی لاڈلے تھے تو مجسٹریٹ صاحب اور ڈی۔ ایس۔ پی نے یہ تکلف کیا ہی کیوں تھا کہ کاروانِ زہد و تقویٰ کے آڑے آتے۔ اُن کا عالم تو یہ تھا کہ اگر اُن سے بطور استفہام پوچھا جاتا: "ورنہ؟" تو وہ بصد عجز عرض کر دیں کہ "ورنہ حضور ہم نوکری کریں گے۔" سو خوشی ہے کہ اُن کی نوکری سلامت رہی۔

شاید دورِ جمہوریت کی پولیس کا نیا طریق کار طے کیا گیا ہے کہ وہ کسی کو تجاوز عن الحدود سے روکنے کے لیے عرض معروض کریں، ماننے نہ ماننے، ورنہ کہیں، حضور! گستاخی معاف، آپ بخیریت و سلامت جائیے۔ کوئی چور بھی اگر تالہ توڑتا دکھائی دے جائے تو دست بستہ عرض کیا جائے کہ جناب اگر ناراض نہ ہوں تو التماس ہے کہ تالہ نہ توڑیئے۔ وہ آگے سے فوں فاں کرے تو پھر مزید عاجزی سے کہیں کہ "سرکار غصہ تھوک دیں، تالا کھولنے کے لیے کنجی ہم دیتے ہیں۔ تالہ ٹوٹے گا تو قومی نقصان ہو گا، اور اگر آپ قومی نقصان کرنا پسند کریں تو قوم تو آپ خود ہی ہیں۔ ہم تو محض قوم کے نوکر اور آپ کے خادم ہیں"۔ اگر ایسا ہو تو دنیا میں پولیس کے استعمال کا یہ بہت ہی نیا نرالا تجربہ ہو گا۔ اور میرا خیال ہے کہ پھانسیوں، جیلوں، زنجیروں، عدالتوں، تھانوں اور حوالاتوں سے نجات ہو جائے گی۔ بڑی بچت بھی ہو گی اور بڑا سکون بھی ہو گا۔ ساری خرابی قانون پسندوں کی وجہ سے ہے۔ اگر قانون شکنوں کی برتری قائم ہو جائے تو سارے خرخشے ختم!

تو ہاں جناب! علمائے اہل سنت سارا جلوس ساتھ لیے عین یونیورسٹی کے اس حصے کے سامنے جا پہنچے جہاں اسلامی جمعیت طلبہ کی ریلی انجینئرنگ کالج سے وہاں پہلے آچکی تھی اور درس پندرہ ہزار نوجوانوں کے لیے دینی تربیت گاہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور وہاں تقریریں کرنے کے لیے جماعت کی چند اہم شخصیتوں اور ایم این اے حضرات کے علاوہ پریشان خٹک سابق وائس چانسلر گومل یونیورسٹی، جہاد ۶۵ء کے ہیرو ایم۔ ایم عالم اور سندھ سے پیر صبغر کریم بخش نظامانی جیسی ہستیاں موجود تھیں۔ پریشان خٹک اور ایم ایم عالم کے مختصر

بیان بھی شائع ہوئے ہیں ۔

یہاں جلوس دو حصوں میں تقسیم ہوگیا ـــــ اپنے کسی مقررہ پروگرام کے تحت ایک حصہ ٹولنٹن مارکیٹ کی جانب بڑھ گیا اور ایک نے پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے سامنے رُک کر مورچہ سنبھالا ۔ گھٹیا نعرہ بازی کے ساتھ پہلے پٹاخے چھوڑے گئے ۔ پھر سنت والے علماء کے فائرنگ اسکواڈ نے ایسی سخت فائرنگ کی کہ عینی شاہدوں کے بیان کے مطابق گویا کوئی محاذِ جنگ ہو ۔ پھر جب تقویٰ کی آگ بہت ہی بھڑکی تو ان حضرات نے یونیورسٹی کی جانب تین کاروں اور چار سکوٹروں اور موٹر سائیکلوں کو (جن کا تعلق جمعیت ہی کی تربیت گاہ سے تھا) آگ لگا کر تباہ کر دیا ۔ دوسری طرف ٹولنٹن مارکیٹ کی طرف جو بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں (جن میں ایسی بھی ہوں گی جن کے مالک طلبہ کی تربیت گاہ میں شریک ہوئے ہوں گے) ان پر کاہو کے ڈنڈے برسا کر شیشے توڑے گئے اور ڈینٹ ڈالے گئے ۔

ہاں اُوپر کے ذکر کردہ سلسلۂ واقعات میں یہ بھی ہوا کہ سنی علماء حضرات نے یونیورسٹی کا وہ گیٹ توڑنا شروع کیا جو ڈائریکٹریٹ کی طرف واقع ہے ۔ صرف یہ ایک ایسا اقدام تھا کہ جس کی تھوڑی سی مدافعت اسلامی جمعیت طلبہ نے کی ـــــ اور نہ کرتے تو اُن پر لازماً حملہ کر دیا جاتا ۔ اس جزوی مدافعاتی کارروائی کو اسلامی جمعیت طلبہ کے متعلق عنوان تشدد کے نیچے رکھ لیجیے ۔ آخر حملہ آوروں کے خلاف مدافعتی کارروائی کا حق بھی کوئی چیز ہے ۔

اسی دوران علماء نے خشت باری بھی کی ۔ کچھ اینٹیں وہ تھیلوں میں بھر بھر کر ساتھ لائے تھے اور کچھ انہوں نے ایک دیوار توڑ کر حاصل کیں ۔ ڈان کراچی مورخہ ۸ مارچ کی تصویر میں ایک محبِ رسولؐ اینٹ پھینکتا اور دوسرا اینٹوں کی ایک ڈھیری میں سے اُٹھاتا ہوا دکھائی دے رہا ہے ۔

اس موقع پر یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ جو لوگ ان مجاہدین کے قریب سے گذرے ان میں سے دو ایک کو یہ کہہ کر پیٹا کہ تم جماعتِ اسلامی کے آدمی ہو اور بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ بدسلوکی روا رکھی گئی ۔

حضرت رضوی صاحب نے یہ بیان دے کر دراصل جلوس کی ہنگامہ آرائی اور دیگر لغویات کا بہ حیلۂ شرعی اعتراف کر لیا ہے کہ جلوس میں نامطلوب عناصر داخل ہو گئے ہوں گے اور ممکن

ہے کہ ان لوگوں کو خود جماعت اسلامی نے بھجوایا ہو ــــ سُنا آپ نے یہ آخری فقرہ!
عجیب بات یہ ہے کہ ایک پولیس انسپکٹر نے اعلان کیا کہ ۵ پولیس والے زخمی ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بغیر وردی کے تھے۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ہنگامہ کرنے والے جلوس کا ایک حصہ تھے؟ آیا انہیں مار تین تین روپے والے ڈنڈوں کی پڑی یا کسی اور قسم کی؟
وردی والی پولیس موقع پر موجود کھڑی تماشا دیکھتی رہی۔ جب گاڑیاں جل چکیں تو پھر سپاہی یونیورسٹی کی جانب لائن بنا کر کھڑے ہو گئے۔ یعنی ہاتھی کے دکھانے کے دانت اب دیکھے جا سکتے تھے۔
یونیورسٹی کے سامنے جلوس لمبے وقت تک رہا، ہنگامے کا سلسلہ چلتا رہا۔ سڑک پر دھرنا مار کر یہ لوگ اس اعلان کے ساتھ جمے رہے کہ جب اسلامی جمعیت طلبہ والے نکلیں گے تو ہم اُن پر حملہ کریں گے، پھر نماز بھی وہیں سڑک پر پڑھی گئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پولیس جو وہاں موجود تھی، اس نے کیوں نہ ابتدا ہی میں جلوس کو وہاں رکنے یا نعرہ بازی کرنے اور اسلحہ اور اینٹوں کا استعمال کرنے یا گاڑیاں جلانے سے روک دیا؟ آخر ہماری آنکھوں کے سامنے کتنی بار مختلف جلوسوں کو کسی جگہ سے ہٹانے، کسی راستے سے روکنے یا کسی زیادتی کے ارتکاب سے پولیس نے روکا ہے اور جہاں پولیس کمزور پڑی وہاں فوج کو طلب کر کے تقاضائے امن کو غالب رکھا گیا۔ یہاں کیوں نہ ہو سکا کہ ایسے طوفانِ بدتمیزی کو روکا جاتا۔
اسلامی جمعیت طلبہ کے چار وڈیو کیمرے اُن کے اپنے پروگرام کے تحت کام کر رہے تھے،

لہ توجیہِ واقعات کے لیے ایسی ایسی فقیہانہ موشگافیاں کی ہیں ہمارے محترم بزرگوں نے کہ بس خدا یاد آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان گاڑیوں میں اسلحہ لایا گیا تھا۔ اس دعوے کا کیا ثبوت؟ ایسا تھا تو آپ حضرات کو بہترین خداداد موقع ملا تھا کہ وہاں پر موجود پولیس کو آپ اسلحہ سے آگاہ کر کے اُسے گاڑیوں سے برآمد کراتے اور گاڑیوں کو بھی ضبط کرا دیتے۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مجرمانہ حرکات کرنے کے بعد پھر اپنی صفائی دینا اور اپنی صفائی کے ساتھ دوسروں پر الزام رکھنا کسی اوسط درجے کے شریف شہری کو بھی نہیں سجتا، کجا کہ مولویانِ کرام کو ــــ اور وہ بھی داتا دربار سے جلوس لے کر نکلنے والے علمائے اہل سنت کو!

کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس ریلی اور تربیت گاہ کے مناظر کو وہ دوسرے مقامات پر یا دوسرے ممالک میں بھی دکھا سکیں گے۔ بدقسمتی سے علماء نے "جہاد" شروع کر دیا۔ تین کیمرے ایسی جگہ تھے کہ سلسلہ حوادث کے مناظر ان میں محفوظ ہو گئے — اور یہ ایک بڑی دستاویزی شہادت ہے۔ حضرت رضوی صاحب اور مولینا عبدالستار نیازی اور ان کے ہمنوا فرماتے ہیں کہ یہ وڈیو فلم دکھانے کی پیشکش بے معنی ہے، کیمرہ ٹرک سے مناظر تیار کر لیے گئے ہوں گے، علماء اتنے دانش ور تو ہوتے چاہئیں کہ وہ یہ جان سکیں کہ تین مختلف زاویوں سے تصویریں لینے والے کیمروں میں ہم آہنگی تو کسی چالاکی سے پیدا نہیں کی جا سکتی۔

اب سنیے اسلامی جمعیت طلبہ کا حال — یہ نوجوان بیچارے استحکام پاکستان کے لیے یوم تجدید عہد منانے کو اُٹھے تھے۔ انجینئرنگ کالج سے علی الصباح ان کی ریلی پنجاب یونیورسٹی میں منتقل ہوئی۔ یہاں تربیتی اجتماع تھا۔ اجتماع سے خطاب کرنے والے تمام معزز، ممتاز اور شریف اصحاب تھے۔ جب "علماء" نے نعرہ بازی کی اور گالم گلوچ اور دھمکیوں کی آوازیں بھریں تو لیڈروں نے طلبہ کو صبر کی تلقین کی اور وہ صبر کے مجسمے بن گئے۔ ورنہ اگر طلبہ کو لیڈر اسی طرح اُٹھا کھڑا کرتے جیسے علماء اپنے اہل سنت کو اٹھا لائے تھے۔ یا دس پندرہ ہزار طلبہ اطاعت امر اور بزرگوں کے احترام کی تربیت سے محروم ہوتے اور وہ سرکشی کر کے از خود اٹھ کھڑے ہوتے تو چند سو حملہ آوروں کی ہڈی بوٹی نہ ملتی۔ انہوں نے صبر کیا — انہوں نے جماعت اسلامی کے جلسے کی طرف جلوس بنا کر جانے کا طے شدہ پروگرام بھی ختم کر دیا۔ اور یونیورسٹی کے پچھلے راستے سے ایک ایک دو دو کر کے نکلے اور جلسہ گاہ تک جا پہنچے۔ یہ وہ طلبہ ہیں کہ جنہوں نے اتنی بڑی ریلی کا انتظام کیا مگر کیا مجال کہ انجینئرنگ کالج یا پنجاب یونیورسٹی یا کسی دوسرے تعلیمی ادارے میں اپنے مخالفین کے ساتھ کوئی تصادم کیا ہو یا دوسروں کو للکارنے اور دھمکانے کی حرکات کی ہوں۔ کیا ان کے طرز عمل سے علمائے اہل سنت کوئی اچھی بات سیکھ سکتے ہیں؟

اور آفرین ہے ان طلبہ کو جنہوں نے نتائج کے لحاظ سے ایک خطرناک تصادم سے معاشرے کو بچانے کے لیے اپنے خلاف بہت سی زیادتیوں کو صبر سے برداشت کیا۔

اب جماعت اسلامی کا پارٹ بھی جان لیجیے۔ یونیورسٹی سے جو لیڈر اور مقررین اور

ایم-این-اے حضرات موچی دروازہ کے جلسہ میں پہنچے، انہوں نے وہاں تقریریں کرنے کے باوجود نہ تو اہل سنت کے قصہ کو بیان کیا، نہ سامعین میں جذباتی ردِّعمل پیدا کرنے کے لیے کوئی بات کہی، نہ میاں طفیل محمد صاحب نے پوری رپورٹ معلوم کر لینے کے بعد بھی اس قضیے کو اچھالا اور نہ اسلامی جمعیت طلبہ کے نوجوانوں میں سے کسی نے علمائے اہل سنت کے خلاف کوئی نعرہ بلند کیا۔ اُلٹا امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد صاحب نے اختتامی تقریر کرتے ہوئے اپنے سٹیج سے یہ صلائے عام دی کہ تمام دینی عناصر کو متحد ہو جانا چاہیے اور ذرا بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ کسی قوت کی تازہ تازہ زیادتی سے وہ متاثر ہیں اور ان میں کوئی ردِّعملی جذبہ موجود ہے۔

جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ اور ان کے لیڈروں اور کارکنوں کے ایسے شاندار کردار کو دیکھ کر بجائے اس کے کہ زیادتیاں کرنے والے بزرگان کرام کچھ ندامت محسوس کرتے، اُلٹا انہوں نے مخالفانہ پروپیگنڈے کے طوفان کو اور تیز کر دیا ہے جس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ ظلم کرنے کے بعد مظلوم کو مجرم بھی تسلیم کرایا جائے اور اپنے ضمیروں کو سر نہ اُٹھانے دیا جائے۔

حضرات علماء خواہ کسی گروہ سے متعلق ہوں، ان سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ لادینی عناصر کی طرح کے سیاسی ہتھکنڈوں اور ہیر پھیر کے طریقوں کو چھوڑ دیں، سچائی اور کھرے پن اور اخلاص و محبت کو مسلک بنائیں، نیز اختلاف کریں تو حُسنِ اختلاف کا معیار قائم کریں۔ کیسے بھی غلط طریقے آپ اختیار کریں، اس سے جماعتِ اسلامی ملیامیٹ نہیں ہو جائے گی، بلکہ اس کے برسوں سے پیش کردہ صاف ستھرے طرزِ عمل کو اللہ تعالیٰ ذریعۂ نصرت بنائے گا۔ ہوگا صرف یہ کہ لادینیت کے آتشیں لاوے کا بہاؤ ذرا تیز ہو جائے گا اور جو قوتیں ہمارے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں وہ ذرا اور آگے بڑھ آئیں گی اور حصار تنگ کر دیں گی، اور اسی مقصد کے لیے وہ مختلف افراد اور گروہوں سے کام لے رہی ہیں۔ یہی روش رہی تو جماعت پر تو جو گذرے گی، گذرے گی، خود آپ کو نہایت خوفناک تجربوں سے گذرنا پڑے گا۔ اگر آپ اپنے طور اطوار بدل نہ لیں تو پھر تاریخ کی پکار یہ ہے کہ ؎ "ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنے والا"

ایک اہم سوال متذکرہ صورتِ حالات نے یہ سامنے رکھ دیا ہے کہ حکومت، خصوصاً حکومتِ پنجاب کا پارٹ اس میں کیا تھا اور کیسا تھا؟